R. No 2186/57 REGD. No L922

انجمن ترقی اردو ہند۔ کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی پرچہ ۱۰ پیسے

تاریخ ہائے اشاعت
۱۔ ۸۔ ۱۵۔ ۲۲

جلد ۲۷۔ شمارہ ۴۲۰۵ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ ر نومبر ۱۹۶۸ء

اداریہ

یونیورسٹیوں کے اُردو استادوں کی تیسری کانفرنس

یونی ورسٹیوں کے اردو استادوں کی تیسری کانفرنس ۲۰ ر اکتوبر سے ۲۲ ر اکتوبر تک علی گڑھ میں ہوئی اس کی روداد ہماری زبان میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ کانفرنس کئی پہلوؤں سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اوّل تو اس میں کشمیر، دہلی، اترپردیش، بہار، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، گجرات، آندھرا، راجستھان اور میسور کی یونی ورسٹیوں سے خاص تعداد میں نمائندے آئے۔ دوسرے اس میں ذریعہ تعلیم، استادوں کے مسائل، تدریس کے مسائل، نصاب کے مسائل، تحقیق کے مسائل اور تنقید کے مسائل پر اچھی تعداد میں مقالے پڑھے گئے اور مقالوں پر بحث بھی ہوئی۔ تیسرے تنظیم کو مضبوط کیا گیا اور اگلی کانفرنس بنگلور یا پھر احمد آباد میں کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چوتھے نصاب کے سلسلے میں سب نمائندوں کے مشورے سے ایک نمونے کا نصاب بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ اردو کی ایک ایسی ڈکشنری تیار کرنے کی تجویز منظور ہوئی جس میں ان تہذیبی، تاریخی اور معاشرتی پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے جنھیں موجودہ دور میں لوگ بھولتے جا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ تنقید میں جو اصطلاحیں برتی جاتی ہیں ان کی ایک ڈکشنری تیار کرنے کا بھی مشورہ دیا گیا۔ مختلف علاقوں میں خاص حالات کی وجہ سے نصاب کے معیار میں جو اختلاف ہے اس کی طرف خاص طور سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور امید ہے کہ اساتذہ کی یہ کانفرنس اس سلسلے میں مناسب سفارشات کرے گی تاکہ اردو ادب کی تعلیم کا معیار بلند اور قابل اطمینان رہے۔

خوشی کی بات ہے کہ یہ ادارہ اب اپنا حلقۂ اثر بڑھا رہا ہے

ظاہر ہے کہ اس کے پاس نہ کوئی بڑا سرمایہ ہے نہ کوئی طاقت، مگر اس کے پاس اس سے زیادہ اہم ایک مجموعی رائے (CONCENSUS) ہے اور اس سے بڑے بڑے کام لیے جا سکتے ہیں۔ یہ تو صحیح ہے کہ اردو کی تعلیم کے لیے بنیاد سے چلنا چاہیے اور سب سے پہلے ابتدائی اور ثانوی منزل پر تعلیم کا پورا انتظام ہونا چاہیے۔ مگر اس کے یہ معنی نہ ہونے چاہئیں کہ جب تک ایسا نہ ہو سکے یونی ورسٹیوں میں اردو ادب کی تعلیم کو فروغ نہیں دینا چاہیے۔ آج تقریباً پچاس یونی ورسٹیوں میں کسی نہ کسی حیثیت سے اردو کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ بیس یونی ورسٹیوں میں اردو کے شعبے ہیں جن میں ایم اے تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ ریسرچ کا معیار پہلے سے بہتر ہو رہا ہے اور بعض قابل قدر کام ہوئے ہیں۔ تنقید میں اب تک جانبداری زیادہ تھی، اب سخن فہمی پیدا ہو رہی ہے۔ اردو کے شعبے اب روز بروز زیادہ زندہ، فعال اور موثر شعبے بنتے جا رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اساتذہ ہر سال ملتے رہیں، ضروری اعداد و شمار جمع کریں۔ ایک اچھے معیار پر اصرار کریں۔ تدریس کے تقاضوں کو نظر میں رکھیں۔ ادب کا علم ہی نہ دیں، ادب کا ذوق بھی پیدا کریں اور ادب کی قدروں سے زندگی میں روشن خیالی، انسان دوستی اور جمالیاتی حس پیدا کریں۔ مستقبل اب یونی ورسٹی کے استادوں کے ہاتھ میں ہے وہ چاہیں تو اپنی اپنی جگہ فکر و نظر کا ایک گہوارہ قائم کر سکتے ہیں، جس سے ان کا حلقہ ضرور متاثر ہوگا۔ انھیں ادب کے تمام جدید میلانات پر خاص طور سے نظر رکھنی ہوگی، مگر اس کے معنی نہ ہوں گے کہ وہ اپنے کلاسیکل سرمائے سے اچھی طرح واقف نہ ہوں۔ انھیں اپنے پیشے سے عشق پیدا کرنا ہوگا اور ایک دوسرے سے تعاون کر کے اردو زبان و ادب کی ترقی کی مہم میں زیادہ موثر رول ادا کرنا ہوگا۔ اس ایسوسی ایشن کی عمر ابھی تین سال کی ہے مگر اس سے امید ہے کہ وہ یونی ورسٹیوں میں اردو کی شمع بلند رکھ سکے گی اور علمی دنیا میں اپنی جگہ بنا سکے گی۔ اچھے استاد کو صرف معلومات نہیں دینی چاہئیں اسے تعلیم دینی چاہیے اور طلبہ کی شخصیت کی تعمیر کرنی چاہیے ان طلبا میں اچھی قدروں کا احساس پیدا کرنا چاہیے۔

مرزا غالب کی دستاویزی فلم حکومت ہند کا فلمز ڈویژن تیار کرے گا

نئی دہلی:- حکومت ہند کا فلمز ڈویژن جیسا کہ توقع ہے اردو کے مشہور شاعر مرزا غالب کی زندگی پر ایک دستاویزی فلم بمبئی کے تھیٹر کے تعاون سے تیار کرے گا۔ جناب آئی ایس جوہر نے کہا ہے کہ صنعتی ترقی اور کمپنیوں کے معاملات کے مرکزی وزیر جناب فخرالدین علی احمد نے مجھ سے اس قسم کی فلم تیار کرنے کے امکانات کا پتہ لگانے کی فرمائش کی تھی۔ پریس ٹرسٹ آف انڈیا نے بتایا ہے کہ جناب فخرالدین علی احمد شملہ کے دورہ کے بعد اپنے بمبئی کے قیام کے دوران مجوزہ دستاویزی فلم کے انتظامات کی تکمیل کریں گے۔ (ریاست)

مہاتما گاندھی کی مکمل تصانیف کی اشاعت

نئی دہلی:- وزارت اطلاعات ونشریات کے پبلیکیشنز ڈویژن نے مہاتما گاندھی کے مجموعۂ تصانیف کے انگریزی ایڈیشن کی ۲۹ویں جلد شائع کر دی ہے۔ اس جلد میں نومبر ۱۹۲۵ء سے فروری ۱۹۲۷ء تک کے عرصے کے دوران میں مہاتما گاندھی کی تحریر کردہ تصانیف شامل ہیں جب گاندھی جی نے رضاکارانہ طور پر ایک برس کے لئے سیاست سے سبکدوشی حاصل کر لی تھی۔ اس مجموعے میں مہاتما گاندھی کو ذاتی مشاہدۂ نفس کی کیفیت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ان تمام اہم مسئلوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو اس عرصہ کے دوران میں مہاتما گاندھی کے ذہن کو متاثر کر رہے تھے۔ ان میں ۱۹۱۳ء میں گاندھی امستہ معاہدے کی خلاف ورزی میں جنوبی افریقہ میں ڈاکٹر ملن کے بل کی منظوری اور ڈاکٹر میں کچھ سڑکوں پر ہریجنوں کے چلنے پھرنے کی آزادی کی ممانعت کو ختم کرنے کے لئے دیکوم ستیہ گرہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس مجموعے میں گاندھی جی کی کتاب بہ عنوان "جنوبی افریقہ میں ستیہ گرہ" کا پورا متن شامل ہے۔ (الجمعیۃ)

آکسفورڈ ڈکشنری میں لفظ اردو کے معنی پر نظر ثانی کرنے کی ہدایت

ڈھاکہ کلیرنڈن پریس آکسفورڈ نے مختصر آکسفورڈ ڈکشنری کے ایڈیٹروں سے کہا ہے کہ وہ لفظ اردو کی تعریف کا مکمل طور پر از سر نو جائزہ لیں تاکہ دوسری بار ضروری ترمیم کی جا سکے مذکورہ پریس کے سکریٹری نے ڈکشنری کے ایڈیٹروں کو یہ ہدایت دی ہے۔ سوال ہے کہ مختصر آکسفورڈ ڈکشنری نے اردو لفظ کے معنی "ہندستانی" بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ زبان مسلمان فاتحوں اور ان کی رعایا کے درمیان میل جول سے پیدا ہوئی۔ (سنگم)

ریاست میسور میں اردو گھر فنڈ کی فراہمی

اردو گھر فنڈ کے لئے ریاست میسور کی کمیٹی کے کنوینر جناب محمود ایاز ایڈیٹر "سوغات" ہوں گے۔ انھیں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ میسور کے اردو دوستوں پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کر لیں اور مرکزی ہدایات کے مطابق ریاست میسور کے اردو دوستوں سے چندہ کریں۔ میسور کے تمام اردو دوستوں سے توقع ہے کہ وہ اس مبارک کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں گے۔ (پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری)

ہندوستان کے ادبا و شعرا کی جماعت پاکستان کا دورہ کرے گی

نئی دہلی:- معلوم ہوا ہے کہ جلد ہی ہندوستان سے ادبا و شعرا کی ایک جماعت پاکستان روانہ ہوگی۔ اور وہاں دو ہفتے تک دورہ کرے گی۔ یہ جماعت کنور مہندر سنگھ بیدی کی قیادت میں جائے گی جو ہندوستان کے مشہور اردو شاعر ہیں یہ جماعت صدر ایوب پر زور دے گی کہ وہ دونوں ممالک کے شعرا و ادبا کے آزادانہ آمد و رفت کی اجازت دیں۔ ۱۹۶۵ء کے بعد کوئی پاکستانی شاعر مشاعروں میں شرکت کرنے کے لئے ہندوستان نہیں آیا۔ (الجمعیۃ)

جوش ملیح آبادی کی نقل و حرکت پر پابندی

نئی دہلی:- پاکستان کے مشہور شاعر جوش ملیح آبادی گذشتہ سال اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لئے ہندوستان آئے تھے مگر جب واپس پاکستان گئے تو انھیں ان کے عہدہ سے محروم کر دیا گیا اور ان کی نقل و حرکت پر پابندیاں لگا دی گئیں۔ (الجمعیۃ)

رئیس احمد جعفری وفات پا گئے

کراچی:- صاحب طرز ادیب، انشا پرداز، ناول نگار اور ممتاز صحافی رئیس احمد جعفری کا اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے یہاں انتقال ہو گیا۔ انھوں نے ۶۰ برس عمر پائی رئیس احمد جعفری نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں تعلیم پائی اس کے بعد وہ روزنامہ "خلافت" بمبئی کے مدیر ہو گئے۔ بعد میں لاہور جا کر ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے تھے۔ ان کی تصانیف میں سیرت محمد علی، بہادر شاہ ظفر اور علی برادران ہمیشہ خاصے کی چیز سمجھی جائیں گی۔ (قومی آواز)

پنجابی زبان کو پاک رکھنے کی مہم شروع ہوگی

چنڈی گڑھ:- یہاں دو سو سے زیادہ پنجابی ادیبوں اور شاعروں نے پنجابی زبان کو "پاک" کرنے کی مہم چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ پنجابی ادیبوں کے ایک کنونشن میں کیا گیا ہے۔ پنجابی دانشوروں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ پنجابی زبان کو سنسکرت اور ہندی کے تسلط سے بچانے کے لئے ایک عوامی مہم چلائیں گے۔ (قومی آواز)

ک۔ب۔ پرواز

ادیب بطور صحافی

ادب اور صحافت، یہ دونوں کام اگرچہ براہ راست انسانی زندگی سے متعلق ہیں پھر بھی ان کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔ ادب، انسانی کلچر کی نہایت لطیف اصناف میں سے ہے اور اس کا تعلق دائمی انسانی قدروں سے ہے جبکہ صحافت کا دائرہ روزمرہ کی حاسیانہ، پیش پا افتادہ اور لمحہ بدلتی ہوئی خارجی زندگی تک محدود ہے۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں JOURNALISM (یعنی صحافت) روزمرہ کی خبروں، واقعات اور کاروباری حسابات کے ریکارڈ کو کہا گیا ہے جبکہ ادب بقول ہڈسن، انسانی زندگی کی بھی شکلوں کی تعبیر و ترجمانی کا نام ہے جو ادیب کے اپنے ذہن میں ابھرتی ہیں۔

صحافت اپنے ابتدائی مراحل کے دوران آکسفورڈ ڈکشنری کی تعریف کے عین مطابق تھی یعنی خالصتاً ایک OBJECTIV ART (خارجیت کا فن)، مگر جیسے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، ارتقائی منزلیں طے کرتے کرتے، صحافت اس تعریف کے دائرے سے کسی قدر باہر نکل گئی۔ آج کی صحافت میں موضوعات اور مواد اگرچہ بدستور خارجی نیز غیر دائمی ہیں لیکن اس میں چند دیگر چیزوں کی بھی آمیزش ہوگئی ہے یعنی روزمرہ کی خبروں، واقعات اور کاروباری حسابات کے بیان کے علاوہ ان پر تبصرہ آرائی بھی شروع ہوگئی ہے۔ اخبارات کے اداریے اور حالات حاضرہ پر تبصرانہ مضامین اس کی شال ہیں۔ اس طرح صحافت میں داخلی طرز نگارش کو بھی دخل حاصل ہوگیا ہے جس کے باعث کئی مرتبہ صحافت پر ادب کا گمان ہونے لگتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ تبصرہ آرائی اور داخلی طرز نگارش کے شامل ہونے کے باوجود صحافت کو ادب نہیں کہا جا سکتا کیونکہ صحافت کا اصل مدعا آج بھی واقعات کا بیان ہے۔ اس میں تبصرہ آرائی اور داخلی طرز نگارش کا جو اضافہ ہوا ہے اس CONTENT کا یعنی مواد اور اس کے موضوعات تو پھر بھی غیر دائمی ہیں اور صرف خارجی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ انسان کی داخلی زندگی اور دائمی قدروں کی نمائندگی سے صحافت آج بھی عاری ہے۔ ان کی تھوڑی بہت نمائندگی اگر ہے تو اخبارات کے میگزین سیکشن میں ہوتی ہے لیکن وہاں بھی عموماً وقتی دلچسپیوں کے مضامین ہی چھپتے ہیں۔

آج کی صحافت میں ایک اور فیشن بھی دیکھنے میں آیا ہے وہ یہ کہ بیشتر روزناموں اور ہفت روزہ اخبارات میں خبروں کے بیان اور حالات حاضرہ پر تبصرہ آرائی کے علاوہ نظمیں، غزلیں، افسانے اور ادبی مضامین بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ فیشن بھی صحافت کو ادب نہیں بنا سکا۔ اگر کسی حجام کی دوکان میں مانی، بہزاد، ادان گوگ یا لیونارڈو ڈاونسی کے چند شاہکار آویزاں ہوں تو اس سے وہ دوکان آرٹ گیلری کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔

برہم ناتھ دت

شیدائی وطن

پیشتر اس کے کہ
میری زبان بند ہو جائے
اپنی کہانی میری زبانی سن لے
کہانی سادہ، مختصر اور غیر رومانی ہے
نہ اس میں گل و بلبل ہے، نہ دف و چنگ
نہ مے و مینا، نہ ہجر و وصال، نہ ساقی، مہوش
ایک روکھی پھیکی داستان ہے!
ایک طفل مکتب تھا!
اس نے اپنا جزو دان اپنے بازار کے چوراہے میں پھینکا
اور کسے عزور اور شان بے نیازی سے نعرۂ حق لگایا
عمرے ست کہ افسانۂ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را
وہ قید و بند کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا
وہ ایک عمیق اور گہرے سکون میں ڈوب گیا
انا الحق کی یہ صدا
درختوں نے نسیم سحری سے سنی اور سرگوشیوں میں طیور کو سنائی
طیور نے اسے دل کش راگنی میں ڈھال کر
فضاؤں کی وسعتوں، بلندیوں اور پستیوں میں بکھیر دیا
زمانے نے انگڑائی لی، کروٹ بدلی
قلب و نظر کی قوتیں بیدار ہوئیں، اقوام مسکرایا
تحریک و حرکت کے سوتے جاری ہوئے
ظلم و استبداد کے ایوان ہل گئے
قید و بند کی زنجیریں ٹوٹ گئیں
ارض و سما میں "انقلاب! انقلاب" کے نعرے بلند ہوئے
دنیا زیر و زبر ہوگئی
طرفہ تماشا یہ ہوا کہ پھر
"نہ کوئی بندہ تھا! نہ بندہ نواز!
نہ کوئی حاکم تھا! نہ محکوم
نہ کوئی جابر تھا نہ مجبور"
میرے رفیق میرے دوست میرے یار وفادار!
تری کہانی کتنی پرشکوہ ہے،
کتنی سادہ ہے اور کتنی مختصر!

——— ———

دنیائے صحافت میں واقع ہونے والی جدید تبدیلیوں کے پیش نظر اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک ادیب کے لئے صحافی بھی ہونا ممکن ہے اور اگر ہے تو کیا یہ بات اس کے لئے واجب ہے نیز ادب و ادیب کے حق میں کیسی ہے؟ اس بارے میں کل تک یہی نظریہ غالب رہا کہ ایک سچے ادیب کے لئے صحافت میں حصّہ لینا اول تو محال ہے اور اگر وہ زبردستی ایسا کرتا ہے تو یہ بات ادب اور ادیب دونوں کے لئے نقصان دہ ہے کیونکہ صحافت میں آنے سے پہلے ادیب کو اپنا نصب العین، اپنا شعار، اپنا مزاج اور طریقۂ کار بدلنے پڑتے ہیں نیز واقعات کا بیان کرتے وقت وہ بارہا اپنی طرزِ نگارش کے معیار کو عوام کی خوشنودی کی خاطر پست کر بیٹھتا ہے جو ادب اور ادیب دونوں کے حق میں سخت مضر ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے اس نظریہ میں تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ حال ہی میں امریکہ کے ایک ناول نگار ٹامس فلیمنگ نے اپنی کتاب A CRY OF WHITENESS میں نئے نظریہ کا اظہار کیا ہے۔ کہتا ہے کہ صحافت میں صرف کیا ہوا وقت ادیب کے اپنے حق میں تو مفید ثابت ہو سکتا ہے مگر صحافت کے حق میں مضر۔ ادیب کے اپنے حق میں وہ کس کس لحاظ سے مفید ہے، اس کی وضاحت وہ نیویارک ٹائمز کے جولائی ۱۹۶۸ء کے آخری ہفتے کے تبصرہ کتب میں یوں کرتا ہے:

"دورِ حاضر میں افسانوی ادب کی بڑھتی ہوئی غیر مقبولیت کی وجہ سے ادیبوں نے اپنی روزی کی خاطر صحافت کا کام شروع کر دیا ہے جو جاسوسی کی افسانہ نگاری اور ہالی ووڈ اسکرپٹ (HOLLYWOOD SCRIPTS) لکھنے سے اگلا قدم ہے۔ اس کے علاوہ صحافت انھیں اپنے اندر کا جائزہ لینے کے عمل سے مفر (ESCAPE) دلاتی ہے اور اس طرح انھیں اس احساس سے نجات دلاتی ہے کہ انھیں اپنی نشو ونما کے لئے بار بار اپنا ہی خونِ جگر پینا پڑتا ہے جس کا ذخیرہ اس عمل کے ہاتھوں ختم ہو جاتا ہے اور پھر انھیں اپنے انفرادی تجربہ ہی کو کسی حد تک بار بار دہرانا پڑتا ہے۔ صحافت دنیا کے متعلق ان کے تجربات میں واقع ہونے والی کمی کی تلافی کرتی ہے۔"

صحافت میں ادیب کے داخل ہونے کے مضر اثرات کو، جو صحافت کے حق میں مضر ہیں، فلیمنگ یوں بیان کرتا ہے:

"ادیبوں کی یہ شخصی قسم کی صحافت کئی خطرات کی حامل ہے کیونکہ اس کی بنیاد ان کے اس کم و بیش مفہوم و متفق نظریہ پر ہے کہ خارجیت کوئی وجود ہی نہیں رکھتی۔ اس طرح ان کی صحافت (PERSONAL COMMENT) یعنی شخصی تبصرہ تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے جس کا کام زندگی کے کسی تجربے کے متعلق کسی فردِ واحد کے ذاتی نقطۂ نظر کے اظہار سے زیادہ نہیں۔ یہ مانا کہ خالص خارجیت (OBJECTIVITY) شاید ایک ناقابلِ حصول مقصود ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے انحراف کی حد اس سے بھی آگے ہو کہ چونکہ دنیا میں ایک بے پناہ اکثریت جھوٹ بولنے والوں کی ہے اس لئے ہمیں ایک دوسرے کو سچ باتیں بتانا ترک کر دینا چاہئے۔"

ہمارے خیال میں صحافت، ایک ادیب کے لئے ناممکن تو ہے ہی نہیں۔ دنیا کی دیگر زبانوں کے علاوہ ہماری اپنی زبان میں بھی اس امر کی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں کہ ایک ہی شخص کے لئے بیک وقت ادیب اور صحافی ہونا ممکن ہے۔ مثلاً منشی سجاد حسین، منشی دوارکا پرشاد افق، سر سید احمد خاں، سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا وحید الدین سلیم، پنڈت رتن ناتھ سرشار، مولوی عبدالحلیم شرر، مولانا نیاز فتحپوری، منشی نوبت رائے نظر، مولانا محمد حسین آزاد، مولانا ابوالکلام آزاد، سر عبدالقادر، اختر شیرانی، مولانا عبدالمجید سالک، منشی احمد شفیق اور میلا رام وفا وغیرہ۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ یہ سب لوگ صحافی کم اور ادیب زیادہ تھے۔ انھوں نے اپنی توجہ اور اپنا وقت جس قدر ادب کو دیا اس کا بہت کم حصّہ صحافت میں لگایا اور دنیا میں ان کے نام صحافت کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے ادبی کارناموں کی وجہ سے زندہ ہیں۔ اسی طرح مغرب میں چارلس ڈکنز، ایرنسٹ ہیمنگوے، روڈیارڈ کپلنگ اور ادمبزی کو دنیا بحیثیت ادیب زیادہ جانتی ہے اور بحیثیت صحافی کم۔

جہاں تک ہو سکے ایک سچے ادیب کے لئے صحافت سے گریز کرنا ہی واجب ہے کیونکہ صحافت اور ادب ان دونوں کے مزاج میں نہ صرف ایک وسیع بنیادی اختلاف ہے بلکہ صحافت میں دخل دینے سے ادیب کا مذاق بگڑتا ہے۔ آج صحافت اگرچہ روزمرّہ کی خبروں، واقعات اور کاروباری حسابات تک محدود نہیں اور اس میں کسی حد تک داخلی عناصر کی گنجائش بھی نکل آئی ہے پھر بھی یہ بات بھولنی نہیں چاہئے کہ ادب اور صحافت موضوع و مواد کے بنیادی اعتبار سے نہ صرف ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ دونوں کے مزاج میں تضاد بھی پایا جاتا ہے۔ ادب کا موضوع اور مواد زیادہ تر انسان کے اندر کی دلچسپ پُراسرار اور لامحدود دنیا اور اس کی رنگارنگ کیفیات ہیں۔ خارجی دنیا سے متعلقہ ادب بھی کم و بیش انہی داخلی کیفیات کے تابع ہوتا ہے جیسا کہ ادب کے متعلق ہڈسن کی تعریف سے ظاہر ہے۔ اس کے برعکس صحافت کے موضوعات اور اس کا مواد آج کے صحافیوں کی تبصرہ آرائی اور داخلی طرزِ تحریر کے باوجود خارجی دنیا کے عامیانہ سپاٹ اور متلوّن معاملات ہوتے ہیں جن کی زندگی بہت تھوڑے عرصے کی ہوتی ہے۔ آج جو اداریہ لکھا جائے گا وہ طرزِ نگارش کے لحاظ سے خواہ پریم چند کے کسی افسانے سے کم نہ ہو لیکن جونہی گھڑی کی چھوٹی سوئی ڈائل کا ایک چکر ختم کرے گی اس کی وقعت اور دلچسپی آدھی رہ جائے گی۔ صحافت، ارتقا کے خواہ کتنے ہی مراحل طے کرے شیکسپیئر کے ڈراموں یا کیٹس کی نظموں کو نہیں پہنچ سکتی۔ اسی طرح ادب میں خواہ لاکھ ترقی پسند تحریکیں پیدا ہوتی رہیں اس میں صحافت کی سی

(خارجیت) پیدا نہیں ہوسکتی اور اگر کسی ادبی کارنامہ میں زبردستی یہ بات پیدا کی جاتی ہے تو وہ ادب نہیں رہتا۔ صحافت میں یا تو وہی ادیب کامیاب ہوسکتا ہے جو اپنے اندر بیک وقت دو مختلف شخصیتیں (یعنی ادیب اور صحافی) اس طرح رکھنے کی صلاحیت کا مالک ہو کہ ان میں باہمی تصادم نہ ہونے پائے یا جو کبھی کبھی محض تبدیلیٔ ذائقہ کی غرض سے مختصر وقفوں کے لئے اس میدان میں قدم رکھتا ہو۔

فلیمنگ نے ادیب کے صحافت اختیار کرنے کے جو تین فائدے بتائے ہیں ان میں سے پہلا تو سو فیصدی قابل تسلیم ہے یعنی صحافت روزی کمانے میں، ادب کی نسبت کہیں زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہے۔ لیکن جہاں تک دوسرے اور تیسرے کا تعلق ہے ان سے ہمیں اختلاف ہے۔ فلیمنگ کہتا ہے کہ بھاڑے کی افسانہ نگاری اور ہالی ووڈ اسکرپٹ لکھنے کے کام سے صحافت اگلا قدم ہے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ صحافت خواہ بھاڑے کی افسانہ نگاری اور ہالی ووڈ اسکرپٹ سے اونچا درجہ رکھتی ہو، چونکہ ان کا حسب نسب جدا جدا ہے اس لئے ارتقا کے کاروان میں صحافت کو ہالی ووڈ اسکرپٹ سے اگلا قدم نہیں کہا جاسکتا۔ غالب اور میر کی شاعری اگرچہ بلاشبہ پوپ اور ورڈسورتھ کی شاعری سے بہتر ہے لیکن چونکہ اردو شاعری اور انگریزی شاعری دو مختلف سلسلے ہیں اور ان کی روایات بھی جداگانہ ہیں اس لئے کاروان ارتقا میں غالب اور میر کی شاعری کو پوپ اور ورڈسورتھ کی شاعری سے اگلا قدم نہیں کہا جاسکتا۔ اب تیسرے نکتہ کو لیجئے۔ فلیمنگ کہتا ہے کہ صحافت ادیب کو OWN INTROSPECTIONS یعنی اپنے اندر کا جائزہ لینے کے عمل سے مفر دلاتی ہے لیکن اس بارے میں ہمارا خیال ہے کہ ادیب کے لئے اپنے اندر کی جانب جھانکنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ایک صحافی کے لئے گرد و پیش کی دنیا کے تازہ ترین واقعات سے آگاہ رہنا۔ یہ مانا کہ اپنے اندر کا جائزہ لینا ایک انتہائی جانکاہ اور صبر آزما عمل ہوتا ہے، شروع شروع میں اس سے مایوسی بھی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ جائزہ صدق دلی اور ثابت قدمی سے لیا جائے تو اس سے وہی فوائد حاصل ہوتے ہیں جو گہرے سمندروں کی تہہ میں غواصی کرنے سے۔ عام لوگوں کو اپنی ذات کی یہ غواصی ڈبو دیتی ہے لیکن جنھیں صحیح معنوں میں صدف کی جستجو ہوتی ہے اور جو اس جستجو میں ثابت قدم رہتے ہیں انھیں وہ بیش بہا اور انمول صدف ملتے ہیں جن کی آب و تاب کا روئے زمین پر ثانی نہیں ملتا۔ اس کے برعکس جو ادیب اپنے اندر جھانکنے کی جانکاہ تکلیف سے مفر ڈھونڈھتا ہے وہ اس بدنصیب طالب علم کی طرح ہے جو مدرسے میں پانچ پانچ گھنٹے پابند ہوکر بیٹھنے کی زحمت سے گھبرا کر مدرسے سے بھاگ جاتا ہے اور تمام عمر علم سے محروم رہتا ہے۔ خود کے اندر کا جائزہ لینے سے مفر کو فلیمنگ اس لئے ادیب کے حق میں مفید سمجھتا ہے کہ بقول فلیمنگ اس جائزہ کے ہاتھوں ادیب اس احساس کا شکار ہوجاتا ہے کہ اس کی نشوونما اپنے ہی خون جگر پر ہوتی ہے جس کا ذخیرہ اس طرح ختم ہوجاتا ہے اور پھر اسے مجبوراً اپنے انفرادی تجربے کو حتمی کی حد تک بار بار دہرانا پڑتا ہے۔ فلیمنگ کی یہ بات ایک حد تک قابل قبول ہے کیونکہ آج کا ادیب اکثر اس قسم کے احساس کا شکار ہوجاتا ہے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس احساس کا غلبہ یا تو مبتدی ادیبوں پر ہوتا ہے یا جن کے دل کمزور ہیں یا جو سرے سے ادیب ہی نہیں ورنہ حق تو یہ ہے کہ ادب اپنی تخلیق کے دوران ادیب سے جس قدر خون جگر لیتا ہے اس سے کئی گنا تازہ اور صالح خون ادیب کو اس گہری مسرت، تسکین اور طمانیت قلب کی شکل میں دے جاتا ہے جو ادیب کو اپنی تخلیق کے دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ تخلیق واقعی تخلیق ہو اور ادیب واقعی ادیب ہو۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ تخلیقی چشمہ کئی بار سوکھ بھی جاتا ہے اور کئی بار انتہائی طویل وقفوں تک سوکھا رہتا ہے لیکن اس کی وجہ تخلیقی صلاحیتوں کے خاتمہ پر محمول نہیں کی جاسکتی۔ اس کی اصل وجہ تو سوائے خدا کے شاید اور کسی کو معلوم نہیں۔ یہاں ہم یہی کہیں گے کہ اگر ایسا ہوجائے تو ادیب کے لئے بہترین چارۂ کار خوشی سے اپنے انفرادی تجربہ کو بار بار دہرانا، اس سے تنگ آکر صحافت میں پناہ لینا حماقت ہے۔ یاد رہے کہ اگر ادیب میں تخلیقی صلاحیتیں فطری

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

آفتاب شمسی

غزل

جو شہر میں تجھ سے ہمیں منسوب ملا ہے
شکنوں سے ترے ماتھے کی مرعوب ملا ہے

اک دوست کا روتا ہوا مکتوب ملا ہے
مجھ کو مرے اشکوں کا اسلوب ملا ہے

اشعار کے پردے میں ہیں خوابوں کے جلے جسم
اظہار کا ہم کو نیا اسلوب ملا ہے

جو چھوڑ گیا ہے مجھے ہر صبح اکیلا
سایہ وہی پھر شام کو مجذوب ملا ہے

کیا قہر ہے جو حاصل دیوان تھا اک شعر
ابلاغ کے دروازے پہ مصلوب ملا ہے

یہ بات الگ راس نہ آئے ہمیں گرمی
دیکھے تو مزاج ہم کو بھی مرطوب ملا ہے

مراسلات

بشیر آنور کی نظم کے بارے میں

آپ کی نظم مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۶۸ء بعنوان "بے بصری" شائع ہوئی ہے اس نظم کے جہاں تک مرکزی خیال کا تعلق ہے وہ خوب صورت اور معنی خیز ہے! لیکن اس کے باوجود میں چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلی چیز تو آپ یہ جان لیں کہ میں "جدیدیت" کا مخالف نہیں (کیونکہ میں خود بھی ایک عرصے سے اور اس وقت بھی جدید رجحان کے تحت لکھ رہا ہوں) لیکن "جدیدیت" سے متاثر ہونے والے لوگوں میں بیشتر حضرات کی تعداد ایسی ہے کہ جنھوں نے اسے بطور فیشن اختیار کر رکھا ہے۔

ان باتوں کا مقصد یہ ہے کہ آپ اپنی نظم "بے بصری" پر غور کریں جس کا تجزیہ "اوزان" کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے یوں کیا ہے :-

(سب سے پہلے: جدیدیت کے رجحان کے تحت چونکہ خیالات کی تیزی اور تندی برسر پیکار رہتی ہے اس لئے بحر مکمل نہ ہے کر کسی بحر کے اوزان یا ارکان کو استعمال کیا جاتا ہے) اس لئے آپ کی نظم کے مصرعے یا سطور ملاحظہ ہوں :-

"اندھیرے سمندر کی بے نور مخلوق نے" اگر اس کا وزن نکالا جائے تو وزن ہوگا۔ فعولن ۴ بار مع اک فعول کے۔ آپ کی دوسری سطر ٹھیک وزن کے مطابق ہے مگر ابتدا میں ایک سہ حرفی حرف یا رکن غائب ہے جس کی بنا پر وزن مکمل نہیں ہوا! تیسری سطر درست ہے۔ چوتھی سطر میں ابتدا میں ہی ایک سہ حرفی لفظ غائب ہے۔ باقی اس کے بعد کے اوزان درست ہیں۔ پانچواں لفظ (سطر بطور مستقل) میں ابتدائی سہ حرفی رکن غائب ہے۔ چھٹی سطر میں: سارا وزن فعلن چار بار مستعمل ہوا ہے! ساتویں سطر: یہ بھی بالکل برعکس اوزان میں ہے۔ آٹھویں سطر میں ابتدا سہ حرفی رکن غائب باقی سطر فعولن کے وزن پر مکمل۔ نویں سطر: فعولن کے وزن پر بالکل درست ہے! دسویں سطر: بالکل درست فعولن کے وزن پر گیارھویں سطر درست بارھویں سطر بھی درست۔ تیرھویں سطر: کا ابتدائی رکن سہ حرفی (تین حرفی) غائب۔ ۱۴ ویں اور ۱۵ ویں سطر فعولن کے وزن پر درست ہے۔

(ذوالقدر خاطر حافظی)

غالب اور بھوپال

غالب کے بھوپال میں پانچ شاگرد تھے یہاں اپنے شاگردوں کے علاوہ غالب کی دوسرے علم دوست حضرات سے بھی خط و کتابت تھی۔ یہاں نسخۂ حمیدیہ کی اشاعت عمل میں آئی بھی اور حیثیتوں سے بھی غالب کا کوئی نہ کوئی تعلق اس سرزمین سے ضرور رہا ہے۔ اس تعلق کو بنیاد بنا کر میں ایک کتاب ترتیب دے رہا ہوں۔ اپنے وسائل کے مطابق مقدور بھر کوشش کر رہا ہوں کہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے پھر بھی اس کا امکان ہے کہ ساری کوششوں کے باوجود اس سلسلے میں کوئی چیز نظر سے چوک جائے۔

میں اس مراسلے کے ذریعے غالب شناسوں، ان پر کام کرنے اور ان پر کئے گئے کام پر نظر رکھنے والے دوسرے اصحاب سے درخواست کرتا ہوں کہ ان کی نظر سے جو بھی چیز میرے موضوع سے متعلق گزری ہو اس کی مجھے اطلاع دینے کی زحمت گوارہ کریں۔

میں نہ صرف ان کا ذاتی طور پر شکر گزار ہوں گا بلکہ ان اصحاب کے حوالے سے ان کی دی ہوئی معلومات کا کتاب میں تذکرہ بھی کروں گا۔

(آفاق احمد شعبۂ اردو گورنمنٹ حمیدیہ آرٹس اینڈ کامرس کالج بھوپال)

جامعہ ملیہ میں اردو ذریعہ تعلیم نہ رہے گی تو کہاں رہے گی

جلسہ تقسیم اسناد میں رشید احمد صدیقی کا خطبہ

دہلی۔ ۳۰ر اکتوبر۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے جلسہ تقسیم اسناد کو خطاب کرتے ہوئے اردو کے ممتاز صاحب طرز انشاپرداز رشید احمد صدیقی صاحب نے کہا "اردو تاریخ کے سیل بے اماں کی زد پر ہے جو لوگ اس زبان کے بولنے والے ہیں یا اس سے علمی و ادبی دلچسپی رکھتے ہیں جامعہ جیسے ادارے سے ان کو بڑی امیدیں وابستہ ہیں"۔

انھوں نے کہا کہ جامعہ میں اردو ذریعہ تعلیم نہ رہے گی تو کہاں رہے گی اور اردو کا اعلا تنقیدی و تحقیقی کام اس درس گاہ میں نہیں ہوگا تو کہاں ہوگا اس لئے جامعہ میں علوم السنۂ اسلامی تاریخ اور فلسفہ کے ساتھ ایک اعلا اردو تحقیقاتی ادارے کا قیام اور ایم۔ اے کلاسوں کا فوری اجرا از بس ضروری ہے جامعہ عثمانیہ مرحوم ہو چکی، جامعہ کو جیتے جی مرحوم نہ ہونے دیجئے۔

جامعہ کے اس جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان نے جو امیر جامعہ ہیں کی۔ اور ۲۵۵ طلبہ اور طالبات کو ڈگری اور ڈپلومے ملے۔

شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب نے ایک برس کی کارگزاری کی رپورٹ پیش کی۔ رشید صاحب نے جامعہ کے اغراض و مقاصد بیان کرنے کے لئے حکیم اجمل خاں مرحوم کے ان الفاظ کا حوالہ دیا "ہم نے اصولی حیثیت سے تعلیم کو صحیح شاہراہ پر ڈال دیا ہے اور جہاں ہم نے سچے مسلمان پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کیں وہاں اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا کہ تعلیم و تربیت میں ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے اور اسلامیت کے ساتھ وطن کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا بھی ہمارے پیش نظر ہے چنانچہ اس امر کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا۔ جہاں ہندو طلبہ کے لئے بہت سے اسلامی معاملات پر معلومات حاصل کرنا ضروری ہے وہاں مسلمان طلبہ بھی اہم ہندو رسوم اور ہندو تہذیب و تمدن سے ناآشنا نہیں رہیں گے کہ ایک متحدہ ہندوستانی قومیت کی اساس محکم اسی باہمی تفہیم و تفہم پر منحصر ہے"۔

رشید صاحب نے کہا کہ جامعہ نے ان بنیادی مقاصد کے حصول کے لئے ایک ایسے نصاب تعلیم کی تشکیل کی جو نہ مشرق سے بیزار تھا اور نہ مغرب سے حذر کرتا تھا جس میں دینی اور اخلاقی تعلیم لازمی جزو کے طور پر شامل تھی اور مادری زبان یعنی اردو اصولی طور پر ذریعہ تعلیم بنائی گئی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کے سیاسی حالات اور رد و بدل کے ساتھ ساتھ جامعہ کے منصب اور مقاصد دونوں میں تبدیلی ناگزیر تھی۔ اب وطن آزاد تھا اس لئے اس کا ہر ادارہ ایک قومی ادارہ تھا اور اس کے تحفظ و ترقی کی ذمہ داری قومی حکومت پر تھی بدیسی حکومت اور بدیسی نظام تعلیم کے خلاف جامعہ کا جو رول رہا تھا وہ ختم ہو گیا اور ہندوستانی قومیت کے مزاج و معیار کا مسئلہ سامنے آیا۔ آزادی کے بعد کی ابھرتی ہوئی رجعت پسند طاقتیں اس کو جو مخصوص مزاج یا موڑ دینا چاہتی ہیں ہندوستان کی بیشتر اقلیتیں اس کو اپنے لئے سازگار نہیں پاتیں۔ ان اقلیتوں کے سامنے ابھی وہی منزل مقصود ہے جس کی روشنی گاندھی جی نے دکھائی تھی۔ اور جس کے حصول کے لئے پنڈت نہرو آخری وقت تک کوشاں رہے۔ آزادی کے بعد اردو کے موقف میں جو بڑی تبدیلی ہوئی ہے اس کا اثر جامعہ جیسے اداروں پر خاص طور سے پڑا۔ جامعہ عثمانیہ کے علاوہ جامعہ ملیہ اعلا تعلیم کا ایسا تنہا ادارہ تھی جہاں اردو ذریعہ تعلیم تھی یہاں اعلا معیار کی تالیف و تراجم کا کام کیا جا رہا تھا اور اساتذہ کی ایک نسل تیار کی جا چکی تھی جو مختلف علوم پر اردو میں درس دینے کے اہل تھے یہاں تک کہ یہ کہنے میں پس و پیش نہیں کیا جا سکتا کہ دیسی زبان میں اعلیٰ تعلیم دینے کا جو تجربہ کیا گیا اس میں اردو کو جیسی ہمہ جہتی کامیابی نصیب ہوئی اس کی مثال آج تک ملک کی کوئی دوسری زبان پیش نہ کر سکی"۔

رشید صاحب نے کہا "اس پس منظر میں جامعہ پر اردو اور اردو پر جامعہ کا جو حق ہے اس کو کسی طرح نظر انداز نہ کرنا چاہئے ہندوستان کی غیر مذہبی ریاست میں جو لوگ اردو زبان کے تعلیمی اداروں کے قیام یا ان کی توسیع و ترقی کے مخالف ہیں وہ اس ملک کے ہرگز خیر اندیش نہیں ہیں اور میں کہتا ہوں کہ ملک کا خیر اندیش نہ ہونا کسی شہری یا جماعت کا بدترین جرم اور اس کی آخری توہین ہے ملک کی لسانی اور تہذیبی زندگی کو یک رنگی میں تبدیل کرنے کی کوشش ملک کے امید افزا مستقبل کے حق میں بڑی بدشگونی ہے جس کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں کوتاہ نظری اور خود مطلبی کی وجہ سے ملک کمزور اور بے اعتبار ہونے لگتا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ ہم سنبھل جائیں اور اپنے ہی دامن کو اپنے ہی ہاتھوں سے تار تار ہونے سے بچائیں ایسی زبان جو ملک کے شائستہ لوگوں کی مادری ادبی، علمی اور تہذیبی زبان ہو اور اپنے منفرد امتیازات کے سبب سے اندرون و بیرون ملک یگانگت اور یک جہتی کا بڑا موثر و مبارک وسیلہ ہو اسے اس کے حق سے محروم کرنا اس کی خدمت کو نظر انداز کرنا اور اس سے اچھے کاموں میں مدد نہ لینا کیا کھوئی کو کیسے اور کیا نہیں ہے۔ البتہ اپنے اور آپ دونوں کے اس عقیدے کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ ہر مادری زبان قومی زبان ہے اور کسی مادری زبان کو مٹایا نہیں جا سکتا اس لئے کہ ماں ابدی اور لازوال ہے"۔

رشید صاحب نے کہا "جامعہ کی تاریخ وہ ہے کہ اس کے کارکنوں نے کبھی فرقہ پرستی کی ہوا اصطلاحوں اور تنگ دائروں میں نہیں سوچا نہ عمل کیا۔ انھوں نے کہا کہ جن لوگوں نے جامعہ کو قائم کیا وہ ہندوستان کے مانے ہوئے مشترک اور معتبر ہندو مسلمان لیڈر تھے انھوں نے جامعہ کی منزل اور رسم و راہ کو متعین کیا جس کے مطابق کارواں سرگرم سفر رہا اور آج تک ہے وہ اچھے اور

بڑے لوگ پیدا نہیں ہوا جب سے اتنے ہی دور اور فکر رکھتے جتنے ہندوستان کے آرزو اور عزائم سے قریب ان ہی کی سرفروشی سے ہندوستان کو سربلندی حاصل ہوئی اس سے یہ نتیجہ نکالنے میں خوف نہ کھانا چاہیے کہ آزاد ہندوستان میں جامعہ ملیہ اسلامیہ ان اداروں میں ہے اور اس کے خدمت گزار ایسے لوگوں میں سے ہیں جن پر بھروسہ اور جامعہ جس آزادی اور وفاداری سے اپنے نصب العین کو نگاہ میں رکھتی ہے اس کا احترام کرنا چاہیے۔

حکومتوں کے بدلنے سے اقدار و عقائد نہیں بدلتے بلکہ کام کرنے کے نئے نئے وسیلے اور نئے نئے میدان سامنے آتے ہیں کسی ایسے ادارہ کے کردار اور کیرکٹر کو بدلنا جیسی کہ جامعہ اور اس قبیل کے دوسرے علمی، تعلیمی اور تہذیبی ادارے ہیں اچھی اور آزاد حکومت کا نہیں مریض ذہنیت اور کھوٹی نیت کا شیوہ ہے ارباب جامعہ ان عناصر و عوامل کو قوی اور فعال رکھنا چاہتے ہیں جو اس ادارے کی نیک نامی اور فیض رسانی میں معین رہے ہیں اور ان رجحانات کے حق میں نہیں ہیں جو اس کے بنیادی اصول و عقیدے میں تحریف و تبدیلی کے درپے ہیں۔ یہ بنیادی اصول و عقائد وہ ہیں جن کو ہمارے محسنوں نے علم و ہنر اور شائستگی کو پھیلانے اور تقویت پہونچانے کے لئے خدا کے گھر میں اس کے نیک بندوں کی موجودگی میں ان کی گواہی کے ساتھ آج سے کم و بیش ۴۸ سال قبل مانا اور مقرر کیا تھا بلا شبہ آج بھی ہم اسی پیمان پر قائم رہنا چاہتے ہیں سیاست و جماعت کے جبر کو جانتا ہوں، لیکن علم اور انسانیت پر ان کے غلبہ پانے کو نہیں مانتا ہوں۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے اپنی طویل تقریر میں جو ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے جامعہ کی حیثیت رتبہ اور مقاصد اور اردو کے علاوہ نوجوانوں کے مسائل اور دنیا کے حالات کا بھی تذکرہ کیا۔ اور اس سلسلے میں ان کو مفید مشورے دئے انھوں نے اردو شعر و ادب میں جامعہ ملیہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی دونوں کے کارناموں کا تذکرہ کیا اور جدید شعر کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

آخر میں رشید صاحب نے طالب علموں سے کہا "دعا کرتا ہوں کہ آپ جس دنیا میں داخل ہو رہے ہیں وہ آپ کو بگاڑ نہ سکے آپ اسے بنا سکیں آپ کو دیکھ اور پاکر لوگ یہ کہیں کہ مصیبت و عسرت کی دنیا میں ایک اچھا آدمی موجود ہے اور جب اس دنیا کو خیرباد کہیں تو لوگ اس کا اقرار کریں کہ ایک اچھا آدمی اٹھ گیا۔ (قومی آواز)

بہار کی خبریں

صاحب گنج میں لسانی سروے کمیٹی کی آمد

بیرن پور سنتھال پرگنہ ضلع انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ و عام کا ایک مشترکہ جلسہ صدر مقام صاحب گنج میں زیر صدارت الحاج جناب غلام حسین صاحب ایڈوکیٹ بمقام دارالامان حبیب پور صاحب گنج منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں جناب فیاض الرحمن ایم اے ڈپ۔ ان۔ ایڈ، جناب معین انصاری و جناب کمال الدین صدیقی اراکین لسانی سروے کمیٹی بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے خصوصی طور پر شرکت فرمائی۔ کونسلر و ممبران حضرات کے علاوہ کافی تعداد میں ہمدردان اردو نے بھی شرکت کی۔ جناب فیاض الرحمن نے اپنی مختصر تقریر میں لسانی سروے کمیٹی کی غرض و غایت و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں اولاً گریرسن نے لسانی سروے کیا تھا لیکن وہ مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے اب ہمیں اپنے طور پر بہار میں لسانی سروے کرنا ہوگا اور تب ہی ہمیں اپنی زبان اردو کے بولنے والوں کا تعداد کا صحیح پتہ چل سکے گا۔ ہمیں ابھی سے ہی لسانی تعلیمی اور تنظیمی میدان میں کود پڑنا ہوگا۔ سارے ہندوستان میں اخبارات و رسائل و جرائد کی اشاعت کو پھیلانا ہوگا اور تب ہماری مانگیں مضبوط ہو سکیں گی۔ جناب معین انصاری نے کہا کہ ہمیں سارے بہار میں ابتدائی سطح سے لے کر ثانوی و یونیورسٹی سطح پر تعلیمی اداروں کا جال بچھانا ہوگا اور تب ہم ۱۹۷۰ء میں بہار میں ایک اردو یونیورسٹی قائم کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ جناب کمال الدین صدیقی نے کہا کہ ہم نے اب طے کر لیا ہے کہ اپنی پیاری زبان اردو کو مٹنے نہیں دیں گے اس کے لئے سر دھڑ اور جان کی بازی لگانی ہوگی۔ ہر تحریک کوئی قربانی چاہتی ہے جب تک قربانی نہیں دی جاتی اردو کا بھی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ آج ہم اپنا حق مانگ رہے ہیں کل ہم آگے بڑھ کر اسے لے لیں گے اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ سارے بہار میں تنظیمی امور کی طرف توجہ دی جائے اور اردو کی تنظیم کو ایک منظم جماعت کی شکل دی جائے۔ ہم اردو کا حق ادا کر کے ہی دم لیں گے ضلع انجمن کے ایک اہم رکن جناب محمد اعظم نے بھی اپنی تقریر میں جناب کمال الدین صدیقی کی باتوں کی حمایت کی۔ جناب کمال الدین صدیقی نے درج ذیل تجاویز پیش کیں جو متفقہ طور سے منظور ہوئی۔

(۱) بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے بہار میں اردو کے مطالبات منوانے کے لئے جتنے بھی اقدامات کئے ہیں وہ بجا اور ٹھیک تھے سنتھال پرگنہ ضلع انجمن ترقی اردو اپنی مکمل حمایت کا اظہار کرتی ہے۔

(۲) یہ نشست اراکان لسانی سروے کمیٹی بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کو مکمل طور پر لسانی سروے کے سلسلے میں ہر ممکن تعاون کرنے کا یقین دلاتی ہے۔

(۳) جامعہ اردو علی گڑھ کی جانب سے ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل کے امتحانات ہر سال ہوا کرتے ہیں جن میں ملک و بیرون ملک سے تقریباً ۱۰ ہزار طلبہ شریک ہوتے ہیں۔ ملک کے گوشے گوشے میں امتحانات کے مراکز قائم ہیں۔ ملک کی مشہور یونیورسٹیوں اور بورڈوں نے ان امتحانات کو تسلیم کر لیا ہے لیکن اب تک صوبہ بہار کی کسی یونیورسٹی یا بورڈ نے اسے تسلیم نہیں کیا ہے۔ لہٰذا بہار ریاستی

انجمن ترقی اردو کو متوجہ کیا جائے کہ وہ امتحانات جامعہ اردو علی گڑھ کو صوبہ بہار میں تسلیم کرانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے شرکا میں جناب حسن اللہ (ایڈوکیٹ) سکریٹری ضلع انجمن ترقی اردو، سراج الاسلام صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ تال جھاری، ابراہیم ہاپوں کوکب، بدرالدین، محمد قاسم، محمد عطا والدین و دیگر افراد تھے۔ جناب حسن اللہ نے ضلع انجمن کی طرف سے لسانی سروے کمیٹی کو ۵۰۰ کی رقم سے مالی تعاون کا یقین دلایا۔ آخر میں جناب صدر کی اجازت سے جلسہ برخاست ہوا۔

میرن پور میں "یوم سرسیّد"

میرن پور۔ انجمن ترقی اردو میرن پور کے زیر اہتمام "یوم سرسیّد" کی تقریب زیر صدارت جناب منیشور پرشاد سنگھ منائی گئی۔ جنرل سکریٹری جناب کمال الدین صدیقی نے سرسیّد کی ادبی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے انھیں بیسویں صدی کا سب سے اہم ریفارمر قرار دیا۔ جناب برہم دیو پٹیل، ابوالخیر، ابوالقیس، مولوی عنایت اللہ و جناب نند لال بھگت نے اپنی تقریروں میں سرسیّد مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔

ریلوے ہائی اسکول صاحب گنج کا معاملہ لیت و لعل میں

میرن پور۔ ریلوے ہائی اسکول صاحب گنج میں تقریباً ۵ برسوں سے خالی جگہ پر ابھی تک اردو ٹیچر کی بحالی نہیں کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ریلوے ملازمین اردو داں عوام کی طرف سے کئی عرضداشتیں ریلوے حکام کو کئی بار روانہ کی گئیں لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا جناب کمال الدین صدیقی، نائب سکریٹری بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے گذشتہ ساتویں بہار ریاستی اردو کانفرنس میں اس سلسلے میں ایک تجویز بھی منظور کرائی تھی اور جناب رام اوتار شاستری ایم۔ پی نے پارلیمنٹ کے گذشتہ اجلاس میں جناب کمال الدین صدیقی کی گذارش پر مرکزی وزیر برائے ریل سے مراسلت بھی کی تھی اور خاطر خواہ کارروائی کا وعدہ بھی کیا گیا تھا لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی جا سکی ہے۔ اگلے ماہ پارلیمنٹ کے اجلاس میں جناب شاستری پھر اس سلسلے میں سوال کریں گے۔ (نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو بنارس کا جلسہ

انجمن ترقی اردو بنارس کے زیر اہتمام اور جناب پروفیسر سید حسن صاحب صدر شعبۂ فارسی پٹنہ یونیورسٹی کی زیر صدارت ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے چوبیسویں اجلاس منعقدہ سنسکرت یونیورسٹی وارانسی میں شرکت کے لئے باہر سے آنے والے اور مقامی معزز شخصیتیں و مندوبین نے شرکت کی۔ جناب صدر جلسہ نے اپنے انتخاب صدارت پر حاضرین کا شکریہ ادا کیا اس کے بعد جناب بابو شیو ناتھ پرشاد صاحب ایم۔ اے صدر انجمن ہذا نے بنارس میں اردو کا جو کام ہوا ہے اس کو مختصراً بیان کیا۔ جناب صدر کی فرمائش پر جناب ڈاکٹر ہرنام سنگھ شان صاحب نے اردو زبان کی موجودہ حالت اور مستقبل پر بحث کرتے ہوئے اردو کو ہندوستان کی ایک ہمہ گیر زبان اور ہندوستان کی ایک ناقابل انکار وراثت بتایا اور فرمایا کہ اردو جہاں ہندوستانی تہذیب کی نمائندہ ہے اسی طرح عربی و فارسی کے لئے ایک رابطہ ہے فرمایا کہ اس زبان کو دنیا میں کوئی مٹا نہیں سکتا یہ ایک ورثہ ہے سب زبانوں کی عزت ہے مگر جتنی سلاست، مٹھاس و لطافت اس زبان میں اشعار وغیرہ کی شکل میں ہے وہ کسی اور زبان میں نہیں پائی جاتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہی وہ زبان ہے جس کو ہندو مسلمان سکھ عیسائی سب بولتے ہیں اس کو بچوں، بوڑھوں نے عورتوں و مردوں نے مل کر ہندوستان کی ایک مجموعی تہذیب کا ایک گلدستہ بنا کر پروان چڑھایا ہے اور یہ زبان سب کی پیاری رہے گی یہ زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔ پنجابی زبان کا اردو زبان سے لازم و ملزوم کا رشتہ ہے جن لوگوں نے اس کے سرسبز و شاداب ہونے کے لئے کوشش کی ہے ان کے سامنے سر جھکاتا ہوں۔ جناب پروفیسر اختر قادری صاحب نے کہا اردو سے ہمدردی کا جذبہ تو سب کے دل میں ہے مگر عملی طور پر ہم کچھ نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر اگر ہر اردو کا دلدادہ ایک ایک روپیہ کی اردو کی کتاب خریدے تو اردو کی ترقی و تبلیغ میں بہت کچھ اضافہ ہو سکتا ہے گورنمنٹ یا حکومت پر بھروسہ کرنا چاہئے صرف جلسہ و جلوس سے کام نہیں چل سکتا بلکہ تعمیری کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد جناب ڈاکٹر گور یکر صاحب (بمبئی یونیورسٹی) نے فرمایا کہ اردو کی ترقی کے لئے صرف جلسے یا زبانی باتیں یا حکومت سے امید رکھنے سے کام نہ چلے گا بلکہ عملی اقدام کی ضرورت ہے شور مچانے سے زیادہ خاموش عملی سرگرمی کی ضرورت ہے اس کے بعد مہاراشٹر میں اردو کی صورت حال پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ یونیورسٹیوں میں سے ۵ یونیورسٹیوں میں اردو کی تعلیم ایم۔ اے تک ہے اور کسی کسی میں ریسرچ کا انتظام ہے اور مہاراشٹر کی سرکار گزٹ میں اردو میں خبر شائع ہونے کو دیتی ہے۔ آخر میں جناب سید محمد سلیمان عباس رضوی صاحب صدر شعبۂ عربی و فارسی بنارس ہندو یونیورسٹی و صدر انجمن ترقی اردو بنارس نے اپنی طرف سے اور ارکان خصوصی کی طرف سے مہمان خصوصی کا ان کی تشریف آوری اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اور یہ فرمایا کہ ہر مذہب والوں کی مجموعی کوشش کے نتیجے میں یہ زبان نکلی ہے یہ سب کا ورثہ ہے محبوب زبان ہے دیگر حضرات نے جو تقریریں کیں ان سب کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ خلوص و عملی طور سے کام کرنا چاہئے عملی جد و جہد سے ترقی ہو سکتی ہے ہم دیکھ تو دو چار میں گے تو یہ زبان زندہ رہے گی ورنہ نقصان ہوگا۔

(داتا رسول

سکریٹری انجمن ترقی اردو بنارس)

روسی جرنلسٹوں کا وفد دفتر انجمن ترقی اردو دہلی میں

دہلی: روسی جرنلسٹوں کا ایک وفد جو سوویت عورت، رسالہ کے ادارے سے تعلق رکھتا ہے ۲۰ راکتوبر کی شام کو انجمن ترقی اردو کے دفتر میں حمیدہ سلطان کی دعوت پر آیا۔ وفد کی نمائندہ خاتون سے اور دیگر اراکین نے "میسج" کے نہرو نمبر کو دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ایک خاتون ترقی اردو کا کام تندہی سے انجام دے رہی ہیں۔ لیکن دلی میں جو اردو کی جنم بھومی ہے کلاسیکل اردو کتابیں یا معیاری رسائل کے خاص نمبر اردو بازار میں بھی نہیں ملتے یہ بڑی افسوسناک بات ہے۔ یہاں سے زیادہ اچھا کام تو ہمارے ہاں اردو میں ہو رہا ہے۔ اردو کے تمام مشاہیر ادبا و شعرا کے مجموعے منتقل رہے ہیں اور کبھی اعلیٰ اردو لٹریچر کا ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ (جنرل سکریٹری)

برطانیہ میں اردو

حیدرآباد:- مولانا حافظ الحاج محمد ابراہیم صدیقی اسٹیشنری آفیسر حکومت برطانیہ نے بتایا کہ برطانوی یونیورسٹیوں میں شعبہ اردو قائم کیا گیا ہے۔ جہاں طلبہ اردو میں پی۔ ایچ۔ ڈی اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر رہے ہیں ہر شعبہ میں اردو کے تجربہ کار مترجم موجود ہیں۔ مولانا ابراہیم صدیقی جو پہلے حیدرآباد کے محکمہ اطلاعات کے اردو سکشن کے انچارج تھے۔ آج کل برطانیہ میں مقیم ہیں انھوں نے بتایا کہ حکومت برطانیہ کی جانب سے ہر اتوار کو ٹیلی ویژن پر اردو میں آدھے گھنٹے کا پروگرام رکھا جاتا ہے۔ اس پروگرام میں ایک انٹرویو اور ایک غیر انگریزی داں کو انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے اس کے علاوہ انگریزی، اردو، پنجابی، بنگالی اور گجراتی زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ برطانیہ میں اردو صحافت کی ترویج و ترقی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابراہیم صدیقی نے بتایا کہ برطانیہ میں صحافت بالکل آزاد ہے۔ حکومت صحافت پر کوئی کنٹرول نہیں کرتی اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے تین ہفتہ وار اردو اخبارات ملاپ، ایشیا اور مشرق نکلتے ہیں۔ اس کے علاوہ ادبی رسالہ آفاق اور مذہبی رسالہ فاران آفسٹ پر شائع ہوتا ہے ملاپ ہفتہ وار میں ہندوستان کی خبریں زیادہ رہتی ہیں۔ ہندوستانی ہائی کمیشن سے بھی ایک اردو بلیٹن کا اجرا ہوتا ہے۔ مولانا ابراہیم صدیقی نے برطانیہ میں ادبی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ عوام میں اردو شعر و ادب کا ذوق بیدار ہو رہا ہے۔ ہر ماہ محفل شعر ترتیب دی جاتی ہے یوم غالب و اقبال اہتمام سے منائے جاتے ہیں۔ (رہنمائے دکن)

برطانیہ کے پولس مینوں کو اردو سے دلچسپی

برمنگھم:- دارجے کے پولس کے ملازم پنجابی اور اردو میں آپنی دلچسپی لے رہے ہیں کہ میونسپل کونسل کے ایک ممبر نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ان کے لئے شام کے وقت اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کی کلاسیں جاری رہیں گی کچھ پولس مین اب بھی برمنگھم کی شام کی کلاسوں میں یہ دونوں زبانیں سیکھ رہے ہیں۔ تاکہ ان کا ہیر ملکیوں سے براہ راست رابطہ قائم ہو سکے۔ (الجمعیۃ)

کینڈا میں اردو

مونٹریال:- دوسرے مغربی ممالک کی طرح کینڈا میں بھی ہندوستانیات سے دلچسپی لی جا رہی ہے چنانچہ شاستری انڈو کینیڈین انسٹی ٹیوٹ ایک ایسا ادارہ ہے جو مونٹریال کی میک گل یونی ورسٹی میں مضبوطی سے قدم جما رہا ہے۔ یہ ادارہ کینڈا میں ہندوستانیات کے لئے بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اس وقت چار ادارے (جن میں میک گل البرٹا اور برطانوی کولمبیا کی یونیورسٹیاں اور نیشنل لائبریری شامل ہیں) مل کر اس منصوبہ کو چلا رہی ہیں۔ چنانچہ ان یونیورسٹیوں میں ہندوستانی ادب کے بارے میں ترمیمی کلاسیں جاری کر دی گئی ہیں میک گل یونیورسٹی میں ۱۱ طلبہ ہندی کے انڈر گریجویٹ کورسوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس یونیورسٹی میں اسلامیات کے کورس بھی جاری ہیں۔ ان کورسوں میں اکثر طلبہ اردو پڑھتے ہیں برطانوی کولمبیا یونیورسٹی میں ۸۰ طلبہ ہندوستانی مضامین کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ (سیاست)

غالب کی سویں برسی کے سلسلے میں انجمن ترقی اردو مالیگاؤں کا جلسہ

مالیگاؤں:- تربیتی مرکز میں انجمن ترقی اردو شاخ مالیگاؤں کی جانب سے ایک میٹنگ جناب پروفیسر حفیظ انصاری صاحب کی صدارت میں ہوئی جس میں بمبئی کے مہمان بیرسٹر سالک انصاری پروفیسر ابراہیم رنگلا، انجم رومانی شکیب بنارسی اور رفو مالر حسن اپوری کے علاوہ شوکت عزیز، لطیف جعفری اور احمد عثمانی شریک تھے۔ ۱۹۶۹ء میں مرزا غالب کی صد سالہ برسی منانے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل تجویزیں زیر بحث رہیں۔

(۱) طلبہ اور نوجوانوں کے لئے جامعہ ملیہ دہلی کے گروپ کا پروگرام منعقد کرنا۔

(۲) تربیتی مرکز کے پہلے منزلے پر غالب ہال تعمیر کرنا۔

(۳) کالج کے طلبہ کے لئے اسکالرشپ جاری کرنا۔

(۴) مرزا غالب سے متعلق مقامی شعرا کے کلام کا انتخاب شائع کرنا۔

(۵) بیٹ مارکیٹ سے مالیگاؤں ہائی اسکول، چمنن پوری پولس کچہری اور خانقاہ کی مسجد تک جانے والی سڑک کا نام "غالب روڈ" رکھنا۔

(۶) عید کے تہوار پر ادبی پروگرام ترتیب دینا۔

(۷) غالب یادگار کمیٹی کا قیام عمل میں لانا۔

آخر میں ایک عارضی کمیٹی بنائی گئی۔ جو مقامی ادبی انجمنوں میوزک کلبوں، اسکول اور کالج کی تنظیموں کے ذمہ دار حضرات اور اخبارات کے نمائندوں کے تعاون سے نومبر ۷۸ء میں وسیع پیمانے پر مشورتی میٹنگ طلب کرے گی۔

(شعبان انصاری سکریٹری انجمن ترقی اردو مالیگاؤں)

لکھنؤ اسکول کے شعرا کی یادگار تقریب منانے جانے کا فیصلہ

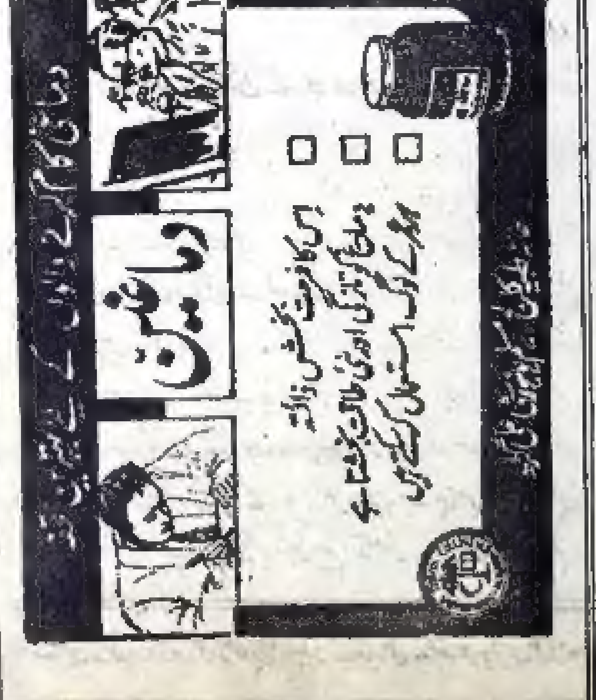
لکھنؤ، انجمن فروغ ادب لکھنؤ کے اراکین کی ایک مخصوص نشست نے لکھنؤ میں ان شعرا کی ایک یادگار تقریب منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے جن سے لکھنؤ اسکول کی ادبی تاریخ وابستہ ہے اور جو شعر و ادب کی دنیا میں مشعل راہ کا کام دے رہی ہیں۔ یہ تقریب لکھنؤ میں غالب کی آمد کے احترام میں منعقد ہوگی اور بتایا جائے گا کہ اس دور میں لکھنؤ کیا تھا۔ تقریب ایک عنوان "لکھنؤ شعر و ادب کے آئینے میں" سے دسمبر ۱۹۷۸ء کے آخری ہفتہ میں منائی جائے گی اس تقریب کے سلسلے میں مشاہیر ادبا سے مندرجہ ذیل عنوانات پر مقالات لکھنے اور شرکت کرنے کے لئے درخواست کی جائے گی۔ "تاریخ تہذیب لکھنؤ"۔ "لکھنوی تہذیب کے اہم عناصر" "لکھنوی تہذیب کا دور عروج و زوال" "مصحفی، جرأت، انشا، سعادت یار خاں کا دور" "ناسخ و آتش کا دور اور اس کے بعد متاخرین کا دور" اور اسی سلسلہ میں ایک باب "لکھنؤ میں غالب کی آمد اور ان پر لکھنوی تہذیب اور شعر و ادب کے اثرات" پر بھی مقالات شامل ہوں گے۔ (قومی آواز)

ہندی ریاستوں کی تمام یونیورسٹیوں میں ۱۹۸۰ء تک ہندی ذریعہ تعلیم ہو جائے

چنڈی گڑھ کے نائب وزیر تعلیم بھگوت جھا آزاد نے ہندی بولنے والی ریاستوں کی یونیورسٹی کے وائس چانسلروں پر زور دیا ہے کہ وہ انجینئرنگ قانون اور ایگری کلچر سمیت تمام فیکلٹیوں میں ذریعہ تعلیم بدل کر ۱۹۸۲ء تک ہندی رائج کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہندی کی کتابوں کی تیاری میں ادارہ قائم کرنے کے لئے بنائی جانے والی وائس چانسلروں کی اسٹینڈنگ کمیٹی کی دوسری میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے یہاں کمیٹی کے ممبروں پر ایسا انتظام کرنے کے لئے کافی زور دیا کہ درسی کتابوں کی کمی کی وجہ سے یہ پروگرام ناکامیاب نہ ہو جائے۔ آزاد نے کہا کہ ہندی بولنے والی تمام ریاستوں میں درسی کتابوں کی تیاری کے لئے با اختیار ادارے قائم کئے گئے ہیں یا قائم کئے جا رہے ہیں، بہار اور راجستھان کی حکومتوں کو پانچ پانچ لاکھ روپیہ مرکز سے دیا گیا ہے یوپی اور ہریانہ کی پیش کی ہوئی اسکیمیں زیر غور ہیں اور ان کے بارے میں جلد ہی فیصلہ کیا جائے گا۔ (ریاست)

صفحہ ۵ سے آگے

طور پر موجود ہوں اور یہ آتش مقدس اگر ذرا بھی اس کے دل میں موجود ہو تو اس کا تخلیقی چشمہ ہمیشہ کے لئے کبھی نہیں سوکھ سکتا اس لئے اسے اپنے سابقہ انفرادی تجربہ کو بار بار دہرانے کی ضرورت ہی نہیں۔ فلیمنگ نے اس بارے میں جو خدشات ظاہر کئے ہیں وہ صرف ان ادیبوں پر صادق آتے ہیں جو اصل میں ادیب نہیں ہوتے بلکہ کسی طرح کی دنیاوی ضروریات کے تحت مصلحتاً اس میدان میں آ جاتے ہیں۔



آل احمد سرور

میرا صفحہ

میکسیکو میں اولمپک کھیلوں سے قبل طلبہ نے بڑے پیمانے پر ایک مظاہرہ کیا۔ ان کو اپنی حکومت سے کچھ شکایات تھیں پولیس نے ان پر گولی چلائی اور خاصی تعداد میں لوگ مارے گئے بالآخر ہنگامہ پر قابو پالیا گیا کچھ دن اخباروں میں اس بات کا چرچا ہوا، پھر لوگ بھول بھال گئے مگر ہندستان میں میکسیکو کے سفیر آکتاویو پاز نے جو ایک ممتاز شاعر اور ادیب ہیں ہسپانوی میں ایک نظم لکھی۔ یہ نظم میکسیکو کی حکومت کو ناگوار ہوئی اور بالآخر پاز کو اپنے عہدے سے استعفا دینا پڑا۔ اس نظم کا انگریزی ترجمہ ٹائمس لٹریری سپلی منٹ میں شایع ہوا ہے جس سے اخبار اسٹیٹس مین دہلی نے اسے نقل کیا ہے ہماری زبان کے پڑھنے والوں کے لئے اس نظم کا بے تکلف اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

ایک چھوٹا سا خراج عقیدت

(قربانیوں کے دن اور اس کے پروہت کا نذرانہ)

شاید اس صفحے کی صاف شفاف سطح پر یہ بات لکھنے کے قابل ہو
یہ سب کچھ (جو ہو رہا ہے) نا صاف ہے
یہ ایک قیامت ہے
(پیلا پیلا، کالا کالا،
ہسپانوی میں غم و غصے کا ملغوبہ)
کاغذ کی سطح پر پھیلا ہوا
کیوں؟
شرمندہ غصہ ہے
جو اپنے پر اتارا جائے
اگر پوری قوم اپنے کو شرمندہ کرتی ہے
تو یہ ایک شیر ہے جو جھکتا ہے
جست لگانے کو
(جھنگی کے کارندے خون کے دھبے صاف کر دیتے ہیں)
قربانیوں کے بازار میں
مڑ کر دیکھ لو
وہاں دھبے ہی دھبے ہیں
قبل اس کے کہ کوئی بات کہی جائے
جو اس قابل ہو
کہ اسے صفائی سے تعبیر کیا جاسکے

۲۵ر اکتوبر کو دہلی کے شاعروں، ادیبوں، صحافیوں اور مصوروں کی طرف سے آکٹے ویو پاز کے اعزاز میں ایک جلسہ ہوا جس میں دیش تھاپر نے پاز کو خراج عقیدت پیش کیا، ابراہیم القاضی نے اس کی ہسپانوی نظم کا انگریزی ترجمہ سنایا اور سردار جعفری نے جو اس پر ایک نظم پڑھی۔ پاز نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا "ایک فنکار زندگی کا جشن منانا چاہتا ہے لیکن جب انصاف نہ ہو تو ایک شاعر کو بغاوت کرنا چاہئے اور اس صورت حال پر نکتہ چینی کرنی چاہئے۔ اس نے کہا کہ اس کی نظم ان طلبہ کے ساتھ جن پر ظلم ہوا، تنہا یگانگت (LONE SOLIDARITY) کی ایک علامت ہے۔

پاز نے نوجوانوں کی عالمی تحریک سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آج تمام نظریے خواہ وہ دائیں بازو کے ہوں، یا بائیں بازو کے، تضاد کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہیگل اور مارکس کے ایجادات (INVENTIONS) کو حقایق نے شکست دے دی ہے۔ آج کے نوجوان اس لئے ناآسودہ ہیں کہ ہم نے کوشش تو ایک جنت بنانے کی کی، مگر در اصل اپنے گرد و پیش ایک جہنم تعمیر کر لیا ہے، آج کے نوجوان اس سماج سے مطمئن نہیں ہیں جو ہم نے ان کے لئے بنایا ہے اور وہ کسی نئی چیز کی تلاش میں ہیں ان نوجوانوں کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کیسا سماج بنانا چاہتے ہیں لیکن ایک بات یقینی ہے۔ ایک نئے سماج کی تلاش میں وہ فلسفیانہ نظریوں (IDEOLOGIES) کی طرف نہیں شاعری کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

پاز نے مزید کہا کہ موجودہ خوشحال جرمن رومانی شاعروں اور بلیک وغیرہ کی مرہون منت ہے۔ انھوں نے محبت اور انسانیت کی قدر پر خاص طور سے زور دیا۔

پاز نے جس طرح اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا اس کے لئے وہ مبارکباد کا مستحق ہے۔ اس نے نوجوانوں کی بے چینی کے جن اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے ان پر غور بھی ضروری ہے۔ اس کا یہ خیال کہ آج کے نوجوان ایک نئے سماج کی تلاش میں فلسفیانہ نظریوں کے بجائے شاعری کی طرف دیکھ رہے ہیں، بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ نظریوں کی ادعائیت اور ان کی وجہ سے سب کو پٹری پر چلانے کی عام روش کے خلاف نوجوانوں میں جو جذبہ ہے، اس پر غور کرنا چاہئے۔ شاعری ضمیر کی آواز ہوتی ہے۔ اس ضمیر کو آزاد رکھنا اور ظالم حکومتوں یا تنگ نظر آئیڈیولوجی، یا مطلق العنانوں یا آمروں کے شکنجے سے اسے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ آج خس و خاشاک بھی بھیس بدل بدل کر ہمارے سامنے آتے ہیں اس لئے شاعر اور ادیب کا کام اس چنگاری کی حفاظت ہے جو اسے عطا ہوئی ہے تاکہ وہ اپنے احساس، اپنے ضمیر، اپنے تجربے، اپنی فکر کی ترجمانی کر سکے خواہ وہ کسی راستے سے اس منزل تک پہنچا ہو مگر یہ اس کا خود دریافت کیا ہوا راستہ ہو اور اس نے اپنے درد و داغ، سوز و ساز، آرزو اور جستجو سے پایا ہو۔ خس و خاشاک کی بیدادگری عام ہے آج اپنے شعلے کو بچالے یہ بڑا کام ہے آج

خوشی کی بات ہے کہ دنیا ابھی پاز جیسے بظاہر سرپھروں اور دیوانوں لیکن در اصل صاحب دل اور صاحب نظر اشخاص سے خالی نہیں ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید جاوید علی نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا